بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

ادارۂ تحقیقات اسلامی کی دعوت پر وسط فروری میں رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کا ایک وفد پاکستان کے دورے پر آیا ہے۔ اس وفد کے قائد رابطۂ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری اور سابق وزیر خزانہ سعودی عرب معالی الشیخ محمد سرور الصبان تھے، اور اس کے باقی چار ارکان رابطۂ عالم اسلامی کے ڈائرکٹر جنرل الشیخ حسین سراج اور رابطہ کے اگزکٹو بورڈ کے ممبر الشیخ محمد صادق مجددی، الشیخ عبداللہ السام اور شیخ سعدی یاسین تھے۔ اس وفد نے راولپنڈی میں کوئی چار دن قیام فرمایا اور اس کے ارکان کراچی، لاہور اور ڈھاکہ بھی تشریف لے گئے۔

وفد کی طرف سے "عظیم ملت پاکستان کے نام رابطۂ عالم اسلامی کا پیغام" میں رابطہ کا اجمالی تعارف یوں کرایا گیا: "دنیا کے تمام مسلمان ایک پرچم تلے جمع ہو جائیں اور مسلم ممالک کے درمیان اتحاد، تعاون اور تضامن قائم کریں۔ دنیا بھر کے مسلمان مدت سے اس ولولے کو اپنے دلوں میں موجود پاتے ہیں۔ یہ جذبہ اُن کے سینوں میں موجزن ہے تو آئیے اتحاد اور تعاون کا ہاتھ بڑھائیے اور ہم سب مل کر آگے بڑھیں۔ یہ رابطہ مستقل ادارہ ہے۔ نہ کسی کی طرف داری کرتا ہے اور نہ کسی کی مخالفت۔ یہ آپ کا ہے۔ آپ ہی کے لئے کام کرتا ہے۔ وھٰذا صراط ربك مستقیماً قد فصلنا الآیات لقوم یذکرون۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

وفد نے اپنے اس بیان میں یہ بھی بتایا کہ "رابطۂ عالم اسلامی باہمی اختلافات اور خصومات سے بلند و بالا ہے۔ وہ کسی اسلامی ملک کے داخلی امور میں مداخلت نہیں کرتا اور نہ کسی کی طرف داری کرتا ہے۔ نہ ہی رنگ و نسل کا امتیاز روا رکھتا ہے۔ کیونکہ مومنین بھائی بھائی ہیں اور وہی شخص سب سے عزیز ہے، جو تقویٰ پر عمل کرتا ہے۔"

ارکان وفد نے اس پیغام میں اس امر پر فخر و مسرت کا اظہار کیا کہ پاکستان کے دورہ کرنے کی دعوت دے کر "ہم کو یہ زریں موقع عنایت کیا کہ ہم اس پیارے دیس میں اپنے بھائیوں سے ملاقات کریں اور اسلامی اخوت کے رشتے

کی روشنی میں تفسیر ہو (تفسیر التعالیم الاسلامیہ فی ضوء العلم الحدیث) تو اس سلسلے میں اگر اُن کی یہ مراد ہے کہ نئے علمی نظریات کے مطابق اسلام کی برابر تعبیر ہوتی رہے تو مجھے اس سے اختلاف ہے۔ علمی نظریات برابر بدلتے رہتے ہیں اور آج جو نظریات حقائق علمیہ مانے جاتے ہیں، بعد میں اُن کی تردید ہو جاتی ہے اور اُن کی جگہ دوسرے نظریات لے لیتے ہیں۔ اب اگر ہم نے اسلام کو ہر علم جدید کے نظریات کا پابند بنا دیا، تو اُس کی قطعیت پر زد پڑے گی۔ اس بارے میں ہونا یہ چاہیئے کہ جہاں تک اسلام کے نصوص کا تعلق ہے، انہیں قطعی مانا جائے۔ باقی رہے علمی نظریات وہ بنتے ٹوٹتے اور پھر بنتے رہیں گے اسلام کے نصوص کو ان برابر تبدیل ہونے والے علمی نظریات سے الگ رکھا جائے اور وہ اپنی حقانیت میں ان کے محتاج نہ ہوں۔

مطلب یہ کہ علم اپنی جگہ ترقی کرے۔ اور وہ دوران ترقی نئے سے نئے نظریات وضع کرتا رہے، اہل علم انہیں مانیں اور اگر بعد میں اُن کے برعکس دوسرے نظریات معرض وجود میں آئیں، تو وہ پہلوں کا انکار کردیں، اور اس طرح علم کی ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہے لیکن اگر کسی خاص دور کے علمی نظریات کے مطابق اسلام کی تعبیر کردی گئی۔ تو جب نئے علمی نظریات پہلوں کو ناقص یا باطل قرار دے دیں گے تو پھر اسلام کی یہ تعبیر ذہنوں کے لئے ایک الجھن پیدا کر دے گی۔ اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔ غرض اسلام کے نصوص اپنی جگہ قطعی شکل میں رہیں اور اُن کو کسی علم جدید کی روشنی کے تابع نہ بنایا جائے کہ وہ ماند پڑے تو اس سے اسلام پر بھی حرف آئے۔ شیخ موصوف کے اس انتباہ کی اہمیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ یونانی علوم کے زیر اثر مسلمانوں نے ایک زمانے میں علم ہیئت کی جو اسلامی تعبیر کی، اس سے آگے چل کر اُن کو کتنا ذہنی دھکا لگا۔ اور پھر آج سیاسیات اور معاشیات کے بعض مخصوص نظریوں کو عین اسلام قرار دینے میں جو غلطیاں ہو رہی ہیں، انھوں نے کتنی مضحکہ خیز صورت اختیار کرلی ہے۔ مثلاً سالہاسال تک اسلام کی رُو سے یہ ثابت کیا جاتا رہا کہ جمہوریت اسلام کے منافی ہے۔ یہ شرک ہے۔ اس کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا بمنزلہ کفر ہے۔ لیکن جب حالات بدل گئے، تو یہی حضرات اب یہ کہتے ہیں کہ اسلام عین جمہوریت ہے اور جمہوریت کے قیام کے بغیر اسلامی نظام بروئے کار آہی نہیں سکتا۔ اسی طرح زمینداری اور املاک کی تحدید کے بارے میں کیا گیا، اور معلوم نہیں اس ضمن میں آگے اور کیا نکتہ آفرینیاں ہوں۔

یہ مثالیں خود ہمارے ملک کی ہیں، اور آج ہمارے سامنے وقوع پذیر ہو رہی ہیں۔ شیخ عبداللہ السیام نے اسلام کے نصوص کو ان رُوبہ تغیر علمی نظریات سے الگ رکھنے کا جو مشورہ دیا ہے، وہ کتنا حکیمانہ اور اسلام کی صحیح روح کے مطابق ہے، اس کا اندازہ ان عملی مثالوں سے ہو سکتا ہے۔

شیخ السیام نے سید قدرۃ اللہ فاطمی کے مقالے پر تبصرہ کیا اور فرمایا کہ معین فقہی مذاہب تک محدود نہ رہنے اور ان امور میں آزادئ فکر سے کام لینے کی جو رائے پیش کی گئی ہے، میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں، اس کے ساتھ میں یہ بھی کہوں گا

کہ آج ضرورت اجتہاد کی بھی ہے۔ زمانہ بدل گیا ہے۔ ہمیں نئے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، ان کے لئے ہمیں نئے احکام وضع کرنا ہوں گے اور یہ اجتہاد کے بغیر کیسے ممکن ہے۔ جب زندگی رواں دواں ہو، اور علم ایک مقام پر ٹھہر جائے، تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہوگا کہ علم فرسودہ ہو کر رہ جائے۔ یعنی ایک فقہی مذہب کے محدود دائرے سے نکل کر فقہ کے مذاہب اربعہ یا ان کے ساتھ ساتھ زیدیہ اور امامیہ کے بھی ایک بڑے دائرے میں آجانا کافی نہیں ہے اور اس سے ہماری قانونی اور شرعی ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی بے شک یہ اقدام قابل تعریف ہے اور اس سے تقلید و جمود کے بندھن ڈھیلے ہوں گے اور ذہن آزادی سے سوچنے کے قابل ہوگا، لیکن اس سے اگلا قدم یہ ہے کہ ہم اجتہاد کریں۔ اور اسلامی نصوص اور سلف صالح کی روایات کی روشنی میں آج جو مسائل ہمیں پیش آرہے ہیں ان کے لئے مناسب احکام وضع کریں۔

فقہی جامد تقلید سے گلو خلاصی اور اجتہاد۔ یہ راہ ہے جس پر چل کر ہم اسلام کو ایک زندہ و توانا نظام شریعت میں بدل سکتے ہیں۔

شیخ عبداللہ السلام سے سوال کیا گیا کہ آج دنیا کے تمام مسلمان یورپی ثقافت کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی اس کو روکنے اور اس کی جگہ اسلامی ثقافت کو نافذ کرنے کے لئے کیا کر رہا ہے؟ موصوف نے اس کا جواب بڑی تفصیل سے دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ جاننی چاہیئے کہ یورپی ثقافت تمام کی تمام شر نہیں اس میں خیر کے پہلو بھی ہیں۔ ہمیں اس کے خیر کے پہلوؤں سے استفادہ کرتے ہیں حذر نہیں ہونا چاہیئے۔

دوسرے آج اگر اسلام کو یورپی ثقافت سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، تو ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں کو یونانی، رومانی اور ایرانی ثقافتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے ان کے علوم کے تراجم کئے، اُن سے استفادہ کیا، اُن پر تنقید کی، اور اُن میں اضافے کئے۔ اور اس طرح اُس دور میں اسلامی ثقافت پھلی پھولی۔ اور دُور و نزدیک پھیلی۔ بدقسمتی سے ہلاکو کے ہاتھوں بغداد کی تباہی کے ساتھ اسے روز بد دیکھنا پڑا۔ لیکن مغرب میں اسپین کے فردوس گم شدہ میں اسلامی ثقافت کو بڑا فروغ ہوا۔ اور وہاں سے یورپ میں روشنی پہنچی، اور یوں اہل یورپ کی ترقی ممکن ہوسکی۔ الشیخ السلام نے سائل کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ وہ یورپی ثقافت اور اسلامی ثقافت کو دو الگ الگ خانوں میں نہ رکھے کہ اگر ایک سرتاپا سیاہ ہے، اور دوسرا خانہ سرتاپا سفید، بلکہ یورپ کی موجودہ ثقافت میں بہت سی باتیں اسلامی ثقافت کی عطا کردہ ہیں اور وہ اپنی موجودہ عظمت میں بہت حد تک اسلامی ثقافت کی خوشہ چین ہے۔

باقی رہی یورپی ثقافت کے شر سے بچنے کی صورت، تو اس کے لئے الشیخ السلام کے نزدیک باحثین (تحقیقی کام

کرنے والے اہل علم) اور مسلمان حکومتوں کے تعلیمی شعبے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ باحثین کا یہ کام ہے کہ وہ ان امور پر تحقیق کریں، خیر و شر کی نشان دہی کریں اور اس طرح ملت کو صحیح فکری رہنمائی دیں۔ آئندہ نسلوں کو صراط مستقیم پر چلانے کی ذمہ داری تعلیم دینے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ موصوف نے جارج برنارڈ شا کا ایک قول نقل کیا، جس میں اس نے کہا ہے "تم مجھے بچوں کو تعلیم دینے دو، اور میں اُنہیں تم جیسا چاہو گے، ویسا بنا دوں گا۔"

الشیخ السالم نے یہ سب باتیں بہت سیدھے سادے انداز اور آسان عربی زبان میں فرمائیں۔ ان کا لہجہ ایک عالم اور مفکر کا تھا، ایک خطیب و مقرر کا نہ تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ خیالات اُن کی گہری سوچ کا نتیجہ ہیں اور یہ ان کا فکری مزاج بن چکے ہیں۔

آخر میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے الشیخ عبداللہ السالم کے ان افکار عالیہ کی صدق دل سے گرم جوشی سے تائید کی اور کہا کہ سعودی عرب کی فکری پستی (تخلف فکری) کا پروپیگنڈا کرنے والوں کی تردید اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے کہ وہاں محترم الشیخ السالم جیسے بلند فکر حضرات ہیں، جن کے یہ خیالات آج ہمارے لئے مشعل ہدایت ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ عالی مرتبت شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے، ادارہ تحقیقات اسلامی اُس کی ایک ایک شق کی تائید کرتا ہے اور اس پر عامل ہے اور عامل رہے گا۔ آپ نے رابطہ عالم اسلامی کو یقین دلایا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی اس کے ساتھ لفظاً، معناً اور مراداً پورا پورا تعاون کرے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم موجودہ پستی سے صرف اس طرح نکل سکتے ہیں کہ شیخ محترم نے جو افکار عالیہ بیان فرمائے ہیں، اُنہیں امت اپنائے اور اُن پر عمل کرے۔

اس میں شک نہیں کہ مسلمان ملکوں اور خاص کر عرب ملکوں میں کئی سیاسی اختلافات ہیں، لیکن اس کے باوجود اُن کے اندر دین اسلام کا جو ایک مشترک عنصر ہے، وہ بہت حد تک، ان کی بنیادی ثقافتی، فکری اور نظری وحدت کو بروئے کار لانے میں موثر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسلام محض عقائد یا نظریات نہیں، اس نے گزشتہ تیرہ سو سالوں میں تمام مسلمان قوموں کو ایک تاریخ دی ہے، ایک ہمہ گیر ثقافت دی ہے، ایک مسلسل معاشرتی زندگی دی ہے اور انفرادی و اجتماعی روایات کا ایک نظام دیا ہے، جو کم و بیش سب مسلمانوں میں مشترک ہے اور کوئی مسلمان قوم خواہ اپنے ماضی سے کتنی بھی کٹ جائے، وہ کس قدر بھی سیکولر ہو جائے، ترکی کی طرح وہ اپنی زبان کا رسم الخط تک بدل دے اور بعض دوسرے ملکوں کی طرح ایک نئے معاشی نظام کو سب سے اولیٰ و اقدم جانے، اس کا اپنی تاریخ، اپنی ثقافت اور اپنی معاشرتی زندگی کی مسلسل روایات سے جو اس کے وجود کی انتہائی گہرائیوں میں رچ بس چکی ہیں، نکل جانا عملاً نا ممکن ہے۔ اور اس کا واضح ثبوت ہم آج دیکھ رہے ہیں۔ روئے زمین کے تمام مسلمانوں میں کسی نہ کسی حد تک یہ بنیادی وحدت موجود ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ آج اس کے اثرات

بہت کمزور ہیں، اور وہ اس حد تک مسلمانوں پر اثر انداز نہیں ہو رہی، جتنی کہ اسے ہونا چاہئیے۔ بہر حال اس کی وحدت موجود ہے۔ ضرورت اسے نشو ونما دینے، اُس کو مؤثر بنانے اور اس پر اُمت کے مستحکم اتحاد کی عمارت کھڑی کرنے کی ہے۔ یہ کیسے ہو؟ آج اُمت کے دینی مفکرین، علماء اور صلحاء کے سامنے یہی سب سے بڑا سوال ہے۔ مسلمانوں کے مذہبی فرقے، فقہی مذاہب اور کلامی مسالک سب کے سب ایک بڑے دائرے میں آجائیں، پہلے کی طرح ہر گروہ یہ نہ سمجھے کہ اسلام وہی ہے جس کا وہ حامل ہے۔ اور جو اس گروہ سے باہر ہے، وہ مسلمان نہیں۔ اسلام ان سب میں مشترک ہو، اور ان سب کا جامع ہو۔ دوسرے دین کی اصل بنیاد نصوص قطعیہ کو بنایا جائے اور اُن کی اسلامی تاریخ کے اس طویل عہد میں جو تعبیرات ہوئی ہیں، ان کا درجہ تعبیرات کا ہو، نصوص قطعیہ کا نہ ہو۔ تعبیرات میں زمان و مکان کے تقاضوں کا بھی دخل ہوتا ہے اور مخصوص قوموں کے مخصوص حالات بھی ان پر اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن نصوص قطعیہ کی حیثیت عمومی ہے۔ اس لئے ان کا دوام یقینی ہے۔ اُنہیں اسلام کی اصل بنیاد مان کر اُمت کی وحدت کا حصول ممکن ہے۔

تیسرے اس وقت دنیا میں جو غالب ثقافت ہے، اس کے بارے میں ہمارے ہاں منفی نہیں بلکہ مثبت اور صحت مندانہ نقطہ نظر ہو۔ یعنی یہ کہ یہ ثقافت نہ سرتاپا شر ہے اور نہ سرتاپا خیر۔ اور یہ آج جس شکل میں پروان چڑھی نظر آتی ہے، اس کے محامد وحسنات میں بہت کچھ ہمارا بھی حصہ ہے۔ یہ انسانی جدوجہد کی ایک منزل ہے جس کی راہیں طے کرنے میں اسلام نے انسانی قافلے کی بہت دُور تک کبھی راہنمائی کی تھی اور اب اس کو اور آگے لے جانے کی خدمت بھی وہ انجام دے سکتا ہے۔

پاکستان اس وقت تشکیل و تعمیر اور استحکام و ترقی کے جن مراحل سے گزر رہا ہے، ان میں ہمارے علماء کرام بڑا ہی مؤثر، مفید اور اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہی احساس ہے جو ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم اپنے ان محترم بزرگوں سے بار بار درخواست کریں کہ وہ عہد حاضر کے بنیادی تقاضوں کو سمجھیں اور اسلام کو آج جن زبردست چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ملت کو اُن سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنانے کی سعی فرمائیں۔ یہ چیلنج سیاسی و اقتصادی بھی ہیں اخلاقی و معاشرتی اور فکری و مذہبی بھی، بلکہ اُن کی زد میں ہماری پوری زندگی آرہی ہے۔ یہ ہماری کتنی بدقسمتی ہے کہ ہمارے بزرگ عائلی قوانین کی بعض معمولی شقوں، خاندانی منصوبہ بندی جیسی ایک معاشرتی و اقتصادی ضرورت اور حال ہی میں عید الفطر کے موقع پر رویت ہلال کے مسئلے پر عوام کے جذبات کو یوں مشتعل کرنے کی کوشش کرتے ہیں گویا ملت کے سامنے سب سے بڑے مسئلے یہی ہیں اور اسے نہ داخل میں ہمہ گیر قحط کی مصیبت درپیش ہے اور نہ خارج سے کسی جارحیت کا ڈر ہے۔ پاکستان کو سیاسی اور معاشی ہر دو لحاظ سے خاص طور سے ان دنوں جس نازک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ہمارے ان علماء کرام کا اسے کلیتہً نظر انداز کر کے معمولی

معمولی باتوں پر تفرقہ و انتشار کو ہوا دینا کہاں تک مناسب ہے۔ کیا اس سے پاکستان کی موجودہ مشکلات بڑھیں گی یا کم ہوں گی اور اس طرح کے ہنگاموں سے ملک مضبوط ہوگا یا کمزور۔

دراصل یہ ہنگامے جو آئے دن ہوتے رہتے ہیں، وہ مذہبی نہیں، بلکہ سیاسی ہیں۔ ہمارے بعض علماء مذہب کے ذریعہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے انھوں نے اپنی جماعتیں بنا رکھی ہیں۔ چنانچہ ہمارے یہ بزرگ اپنی سیاسی لڑائی مذہب کے نام سے لڑ رہے ہیں، اور وہ نہیں جانتے کہ اس معرکے کا انجام کیا ہوگا؟ مثال کے طور پر "جمعیت علماء اسلام پاکستان لاہور" کے ہفتہ وار ترجمان میں اس جمعیت کی شاخوں کی ادارہ تحقیقات اسلامی کی شائع کردہ کتاب "مجموعہ قوانین اسلامی" کے خلاف کافی دنوں سے قراردادیں شائع ہو رہی ہیں، جن کا متن کم و بیش یہ ہوتا ہے۔ "یہ اجتماع ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے شائع شدہ کتاب کو جس میں اسلام کی کھلم کھلا تحریف کی گئی ہے، ضبط کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔"

لیکن یہ سب کچھ اصل کتاب کو بغیر پڑھے کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ خود اسی جمعیت کے ایک بزرگ کا ماہنامہ جو خیر سے ادارۂ تحقیقات اسلامی کی مخالفت میں اس سے بھی آگے ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں جو رائے دیتا ہے، وہ اس کے برخلاف ہے۔ ماہنامہ "بینات" کراچی اپنے نومبر کے شمارہ میں کتاب مذکور پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتا ہے۔

مؤلف (۱) اللہ جل شانہٗ کے فضل و کرم سے مؤلف کا ذہن بالکل پاک و صاف اور تجدد پسندی یا تجدد پرستی سے "زہر بے جرائیم" سے بالکل محفوظ ہے۔ انداز نگارش نہ صرف قرآن و حدیث اور اجماع کے بارے میں بلکہ ائمہ مجتہدین اور فقہاء اُمت کے حق میں بھی انتہائی عقیدت مندانہ اور مخلصانہ ہے۔ معاندانہ یا جارحانہ مطلق نہیں ہے (۲) مؤلف تصنیف و تالیف خصوصاً ترتیب و تدوین قانون میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ (۳) جو اہم کام قدیم و جدید علوم کے محققین اور قانون کے ماہرین کے باہمی اشتراک عمل سے کرنے کا تھا، وہ کام تنہا مؤلف نے ایک حد تک نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔

تالیف (۱) اُردو زبان میں احکام شرعیہ کو عدالتوں میں استعمال کرنے کی غرض سے قانونی دفعات میں ڈھالنے کی یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔ (۲) ادارہ تحقیقات اسلامی کی اس چہار سالہ مدت میں شائع کردہ تالیفات و مقالات میں مجموعہ قوانین اسلام سب سے زیادہ مغتنم اور دینی نقطہ نظر سے قابل تحمل تالیف ہے۔ (۳) یہ ترتیب کہ اول قانون اس کے بعد تشریح قانون بھی بے حد مفید اور منصفانہ ہے۔

اس طویل تبصرے میں کئی جگہ مؤلف کے خلوص اور کراچی کے سرفہرست عبادت گذار، تقوی شعار علماء دین اور ارباب فقہ و افتاء کی طرف ان کے رجوع کرنے کا ذکر ہے۔ اور ادارہ بینات کی طرف سے لکھا ہے کہ چند اختلافات کے باوجود مؤلف جناب تنزیل الرحمٰن صاحب کی اس تالیف "مجموعہ قوانین اسلامی" کے نقش اول کو نہایت فراخدلی سے خوش آمدید کہتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے لیکن اس کے باوجود جمعیت علماء اسلام ہے کہ اس نے اس کتاب کے خلاف عمومی احتجاج کی ملک گیر مہم شروع